مقدمۂ شعروشاعری کے نوآبادیاتی تناظرات اورسماجی تطابق کا اصول

فرحت جبیں ورک

ABSTRACT:

Adaptability and Adjustability are legal terms that give rise to another term "flexibility" These terms are applied to "Muqadma-e-Sher o Shaeree", analysis of which bring different results. Sir Syed Ahmed Khan's movement was a demonstration of this flexibility in the context of Post colonialism. In this article the author has tried to establish that the criticism of Urdu Poetry introduced new horizon.

کائنات میں بہت سے سوالوں کے جوابات کا انسان ہمیشہ متلاشی رہا ہے۔ایسے انسانوں کا گروہ دانشور و مفکر، فلسفی و موجد کہلاتا ہے۔بعض اوقات انسان جواب پا کر بھی مطمئن نہیں ہوتا اور تشنگی محسوس کرتا ہے۔یہ تشنگی جواب سے سوالی کی مطابقت نہ ہونے کی بنا پر ہوتی ہے یا سوال کے مزاج سے موافقت نہ رکھنے کی بنا پر یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔

قانون کا ایک کلیہ مطابقت+موافقت=لچکداریت (Adaptability + Adjustibility = Flexibility) بقول شخصے ایک ایسا قانونی فارمولا ہے کہ جو ادب پر بھی لاگو ہوتا ہے یا ہونا چاہئے۔ہندوستان میں سیاسی دُنیا سے لیکر ادبی منظرنامے تک کا جائزہ لیا جائے تو سماجی تطابق کے اس اصول کی صحیح معنوں میں تشریح ہو جاتی ہے۔اس خطے کے ارتقائی سماج کا مطالعہ دُنیا کے دیگر سماجوں کی نسبت زیادہ گھمبیر تا اور دلچسپی رکھتا ہے۔

ہم اس مقالہ میں نوآبادیاتی نظام، سرسید تحریک اور حالی کی مقدمۂ شعروشاعری پر یہ کلیہ منطبق کر کے دیکھتے ہیں تو ہم نوآبادیاتی نظام کو اس اُصول کے تحت، کچھ اس طرح سمجھ سکتے ہیں۔ سماج / ماحول (مطابقت)+ تجارت (موافقت)= مقاصد کے حصول میں کامیابی (لچکداریت)۔ اسی تسلسل میں سرسید تحریک کو پھلنے پھولنے اور دوررَس مقاصد کے حصول میں کامیابی کیسے ممکن ہوئی: ۱۸۵۷ء کی جنگ، آزادی کے نتائج (مطابقت)+ تعلیم وتربیت (موافقت)= مقاصد کے حصول میں کامیابی (لچکداریت)۔

تیسری بات حالی کی مقدمۂ شعروشاعری ہے کہ جس کو نوآبادیاتی نظام یا امپریل ایجنڈے کا ایک

حصہ کہا جاتا ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ ایک عصری تقاضا نہ تھا۔۔؟ یقیناً یہ نہ صرف عصری تقاضا تھا بلکہ ہر عصر کی ضرورت تھا۔ حالؔی کے **مقدمۂ شعروشاعری** کی مثال اُس عصر کے حوالے سے ایسے ہی ہے جیسے پیاسے کی موافقت پیاس اور مطابقت پانی ہوتا ہے۔ مثال ملاحظہ کیجیے: پانی (مطابقت) + پیاس (موافقت) = پیاس کا بجھنا / راحت کا حصول (لچکداریت)۔ مطابقت و موافقت کا اصول بنیادی طور پر قانون (Law) کی اصطلاح ہے لیکن زندگی کے ادبی و غیرادبی ہر دو رویوں پر لاگو ہوتا ہے۔

کسی ایک شخص کو موافق ماحول نہ ملنے کا گلہ وشکوہ ہونا ایک اور بات ہے مگر بہت سے انسانوں کی ماحول سے مطابقت نہ ہونا اور اُس دور کا ادب انسانوں کے لیے موافق حال نہ ہونا ایک لمحۂ فکریہ ہی تو ہے۔ موافق ادب اور ناموافق سماجی رویے کی یہ گتھی لچکداریت پر منتج نہیں ہوتی بلکہ ایک فکری تناؤ کا شکار ہو جاتا ہے جیسا کہ سرسید سے پہلے اور سرسید و حالؔی کے اپنے دور میں تھا بلکہ نوآبادی عہد کے ہندوستانی سماج سے عدم مطابقت کے باعث یہی مشکلات درپیش رہیں۔

سرسید نے ہندوستان کے سماجی حالات کا بڑی عمیق نگاہ سے مطالعہ کیا جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ: ''بلاشبہ ہندوستان کی رعایا اپنے جہل کے سبب سے کسی مفید بات کی حقیقت کو نہیں دریافت کرسکتی۔۔۔۔وہ مذہبی امور سے علاوہ دنیوی معاملات میں بھی رسم و رواج کی نہایت پابند ہے اور جس کام پر اُس کو ایک مدت سے عادت ہے اب اس کو اُس عادت کا ترک کرنا نہایت سخت مشکل ہو گیا ہے''[۱] سرسید ہندوستانی رعایا کی اس عدم تطابق کی توجیہہ پھر کچھ یوں بھی کرتے ہیں کہ: ''اگر بعض ہندوستانی اپنی واقفیت سے کچھ کرنا چاہیں تو ان کی طرزِ معاشرت اور ان کی خانہ داری کے برتاؤ اور بعض قومی دستور ان کو ایسی تدبیر سے باز رکھتے ہیں۔''[۲] سماجی رویوں کو اپنے موافق کرنے کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام نوآبادیاتی نظام کی جڑیں مضبوط کرنے کی پہلی کڑی تھی۔ بعدازاں اسی کمپنی کے ذریعے برطانوی حکومت کا عمل دخل پورے ہندوستان میں بڑھانے کیلئے دوسری کڑی ہندوستان پر مکمل غاصبانہ قبضہ کر کے ہندوستانیوں کی سوچ کو اپنے مطابق کرنا تھا۔

سماجی تطابق کی تیسری کڑی برطانوی راج کا انگریزی نظام تعلیم رائج کرنا تھا تاکہ ہندوستانی قوم انگریز کو اپنا خیرخواہ اولین تصور کرے۔ یہ نوآبادیاتی تعلیمی ڈھانچہ نظریۂ تعلیم بطور نظریۂ سیاست کی بنیاد پر تعمیر کیا جارہا تھا۔ بہرحال بعدازاں اِس تخریب سے ہی تعمیر کی کونپل پھوٹی۔ انگریز کو بھی اپنے مذموم سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے سماجی تطابق کی ضرورت تھی تاکہ ہندوستانی اور انگریزی دماغوں میں مطابقت و موافقت سے نتیجہ خیز لچکداریت جنم لے سکے۔

نوآبادیاتی نظام کے پھلنے پھولنے میں جو چیز بڑی رکاوٹ تھی وہ ہندومسلم اتحاد بھی تھا سو اِس میں دراڑ مختلف سوچی سمجھی اسکیموں کے تحت ڈالی گئی۔ گئوکشی کا مسئلہ، فارسی زبان کو عدالتوں سے خارج کرنا، بعدازاں ہندی اُردو زبان کے تنازعے کے لئے مطابق و موافق ماحول پیدا کیا گیا۔ یہ سب نوآبادیاتی نظام کی بہبود کے لیے سیاسی و اقتصادی ایجنڈے تھے۔

حقیقت میں ہندوستانی قوم کے مفاد میں نہ تو ایسٹ انڈیا کمپنی تھی اور نہ ہی فورٹ ولیم کالج بلکہ یہ سب انگریزی حکومت نے ہندوستانی ذہنوں کو اپنے موافقِ حال کرنے کے لیے اپنے مطابق کیے بعد دیگرے ذرائع پیدا کئے۔ ہندوستان کی سرزمین پر فرنگی قوم کی آمد یوں تو عہدِ جہانگیری کی پیداوار ہے مگر اس کے لیے راہیں اکبری دور میں مزید ہموار ہوئیں یعنی مطابق انقلاب، جاگیردار کی جگہ سرمایہ دار اور تاجر طبقے کو دلوانے میں کامیاب ثابت ہوا تھا مگر اصل چیز تطابق کا اصول تھا۔ مطابقت و موافقت کے اس فارمولے نے نوآبادیاتی نظام میں اتنی لچکداریت پیدا کر دی کہ وہ اپنا رُخ مختلف خطوں کی طرف موڑنے میں کامیاب رہا۔ ''صنعتی انقلاب کا آغاز انگلستان سے ہوا کیونکہ نو ایجاد مشینیں صرف انگلستان کے پاس تھیں اور پھر کئی برس تک صنعت کا دائرہ انگلستان تک محدود رہا۔'' (۳) ابتدا میں تو برطانوی صنعت کی امریکہ و یورپ میں مانگ تھی مگر حالات سدا ایک سی مطابقت و موافقت نہیں رکھتے۔ اسی عدمِ موافقت نے برطانوی صنعتکاروں کو خطرے کی گھنٹی سنائی اور نئی منڈیوں کی جستجو اور نئے خطے سے مطابقت جوڑنے پر آمادہ کیا اس ضمن میں ہندوستانی مٹی اپنے اندر خاصی لچکداریت رکھتی ہے یعنی یہ کلیہ کچھ یوں ہوا ہے: مختلف انسانی گروہ (مطابقت) + ذرائع پیداوار / خام مال (موافقت) = بآسانی گزر بسر کے مواقع (لچکداریت)۔ یوں باہر سے آنے والے مختلف النوع انسانوں کے لیے یہاں کا ماحول ہمیشہ موافق ہوتا ہے یا اُن کے مزاج میں اس سے مطابقت پیدا ہونے لگتی ہے۔ بقول ڈاکٹر گستاوَلی بان: ''ہندوستانی قوم، حبشی، زرد رنگ قوم، تورانی اور آریہ سے مرکب ہے''۔ (۴) مگر سبھی کے لیے اس مٹی کے اندر کشادگی ہے اور ہر کوئی فیض یاب ہوا ہے۔ لہٰذا اسی موافقت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انگریز نے مغل فرمانرواؤں کی آنکھوں پر کامیاب پٹی باندھی اور ہندوستان کی دیگر ریاستوں کے حکمرانوں بشمول ہندو اور مسلمان سے دوستی کی شروعات کی۔ انگریز کے لیے حالات میں مزید لچکداریت مغل فرمانروا اورنگزیب عالمگیر کے انتقال کے بعد پیدا ہوئی۔ اورنگزیب عالمگیر کے جانشینوں کی نفسیاتی کمزوری کے باعث مغل سلطنت سمٹنے لگی اور جلد ہی انگریز کا مطابق اونٹ موافقت کی نکیل ڈالے لچکداریت کی کروٹ جا بیٹھا اور پھر ستم ظریفی یہ کہ ۱۵۰ سال تک حالات اُس کی تخریب کاری کی نظر ہو گئے۔ بہرحال اس تخریبی عمل سے بھی ہندوستانیوں کے لئے موافق حال تعمیری صورتیں نمودار ہوئیں۔ بقول مرزا غالب:

میری تعمیر میں مُضمر، ہے اِک صورت خرابی کی
ہیولٰی، برقِ خرمن کا، ہے خونِ گرم دہقاں کا

گویا تعمیر ہندوستان میں تباہی کے بیج پہلے ہی سے موجود تھے سو انگریز نے اسی زرخیزی سے فائدہ اُٹھا کر اپنا نشیمن تعمیر کر لیا۔ جس طرح تخریب کا عمل مسلسل تخریب کاری سے کامیاب ہوتا ہے اُسی طرح کا کلیہ تعمیری عمل میں بھی درکار ہے۔ برصغیر پر حکومت کرنے والے غیرملکی حکمرانوں میں انگریز وہ اپہلے حکمران تھے جو اس سرزمین پر (خواہ اپنے مفادات کی خاطر ہی سہی) فکری عمل اور اجتماعیت کے تصور کو رائج کرنے کا باعث بنے۔

ہندوستانی قوم کا یہی المیہ تھا کہ علی گڑھ تحریک کے پسِ پردہ مختلف النوع عوامل کے کارفرما رہنے کے باوجود سرسید کو تعمیری عمل کو منزلِ مقصود کی طرف گامزن کرنے کے لیے ماحول تو موافق ملا مگر عوام الناس کی ذہنی مطابقت

قدرے کم ملی مگر بالآخر کامیابی ہوئی۔ مطابقت وموافقت کے حوالے سے ہندوستانیوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ انہیں پہلے درجے سے اُٹھا کر آخری درجے پر بٹھا دیا گیا۔ اس سلسلے میں فرانسیسی متشرق ڈاکٹر گستاؤلی بان کا مشاہدہ ،مطابقت وموافقت کے اصول کو مزید واضح کرتا ہے: '' یہاں تعلیم بالکلیہ حکومت کی طرف سے دی جاتی ہے اور معلم پردیسی لوگ ہیں جن کا کام یہ ہے کہ جدید سے جدید علمی وسائنسی تحقیقات کے نتائج کی تعلیم ایسے لوگوں کے دماغوں میں بھر دیں جن کے دماغ بہ سبب اُن کے قدیم دستورات وتہذیب کے ہنوز اُس کے لیے تیار نہیں تھا'' (۵) ہندوستانی مسلمانوں کے مفادات کے حصول کے لیے سرسید بھی جدید تعلیم (نوآبادیاتی تعلیمی ڈھانچہ) کے ذریعے معاشرے میں جدید بدلاؤ چاہتے تھے مگر ہندوستانیوں کی فلاح کے لیے انگریز کے نقطۂ نظر کے موافق حال نہیں اِسی بات کو بعدازاں سوچوں میں لچکداریت درآنے کے سبب اکبرالہٰ آبادی نے بھی سمجھا۔

یوں انگریزی حکومت اور سرسید کے مقاصد کا باہم شیروشکر رہنا دونوں کا موافق مزاج + مطابق مقاصد وسماجی رویے کے نتیجے میں ایک مثبت لچکداریت پروان چڑھتی دکھائی دیتی ہے ۔جس کے نتیجے میں لامحالہ سرسید مسلمانوں کے لیے خاصی راہیں ہموار کرنے میں بھی کامیاب رہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کوایک پلیٹ فارم پر ایک سوچ کے تحت اکٹھا کرنا خاصا جان جوکھم تھا ۔ سرسید احمد خان یہ بات جان چکے تھے کہ اب پیرویٔ مغرب کے سوا کچھ چارہ نہیں اور اس کے لئے انگریزی تعلیم کا حصول ، انگریزی خیالات سے مطابقت پیدا کرنے کا واحد موافق ذریعہ ہے۔یہی وہ ذریعہ تھا کہ جس سے بعدازاں دیگر رہنماؤں کے لئے ہندوستان کی سیاسی وادبی فضا میں لچکداریت پیدا ہوسکی۔ انگریزی خیالات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے غور کیا جائے تو اُردو نثر میں خاصا سرمایہ جمع ہو چکا تھا مگر اس کے باوجود مشرق اور مغرب کی کشمکش کا عمل جاری وساری تھا ۔سرسید اور اُن کے رفقاء کی مسلسل مساعی کے باوجود مشرق ومغرب کی کشمکش کا یہ عمل جاری رہا مگر سرسید کی جدوجہد گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ فعال ثابت ہوئی بلکہ پھر اندازہ ہوا کہ سرسید نہ ہوتے تو تعلیم کا وہ بیج جو اُنہوں نے ہندوستانی زمین کے موافق حال بویا تھا ، آج ہمارے معاشرے کے مطابق حال نہ ہوتا۔ لامحالہ آغاز میں سرسید کا قلم انگریز حکومت کی خوشنودی میں چلتا محسوس ہوتا ہے مگر اس میں بھی ہندوستانی مسلمانوں کی فلاح مقصود تھی۔صرف اسلوب پر انگریزی چھاپ ہونے کی بناء پر سرسید پر مختلف شکوک وشبہات گزرتے رہے ۔ دیکھا جائے تو یہ بھی وقت سے مطابقت تھی تا کہ موافق حال نتائج حاصل ہوسکیں۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ : ''مذہب ، سیاست اور معاشرت کے ہر مسئلے میں سرسید پر کسی وکٹورین صاحبِ قلم اور صاحبِ فکر کا دھوکہ ہوتا ہے'' (۶) یہ وقت کی مصلحت تو ضرور تھی مگر اس سے زیادہ اقوامِ عالم کے وسیع ادبی وسیاسی کینوس پر ہندوستانی مسلمانوں کا تشخص ابھارنے کے لئے بھی یہ طرزِ فکر ضروری تھا ۔ لہٰذا سرسید نے اس طرزِ فکر کو مقبولِ عام بنانے اور اُردو دان طبقہ میں عام کرنے کے لئے انتھک کوشش کی۔ اس مساعی کے عمل میں ان کو بہت سے الزامات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔مگر یہ امر سرسید تحریک کے سامنے ریت کا گھروندہ ثابت ہوا۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ : '' سرسید کے مصلحانہ خیالات میں بڑی شدت پیدا ہوگئی تھی ۔ چنانچہ اس دور میں اُن کی طبیعت میں ایک طرح کا تشدد نظر آتا ہے۔اس سے پہلے ان کے لہجے میں نرمی اور ملائمت تھی اب وہ اظہارِ خیال

میں نڈر اور بے خوف معلوم ہوتے ہیں اور پبلک کی مخالفت کو کچھ اہمیت نہیں دیتے۔" (۷) سر سید نے اپنی تحریک کے ذریعے موافق معاشرت میں مطابق افادیت اور مقصدیت پر زور دیا اور لچکداریت کے نتیجے میں درایت و معقولات سے کام لیا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ علوم جدیدہ کی ترویج میں پیش پیش رہے اور اہلِ علم و دانش کا ایک حلقہ اپنی ذہنی موافقت اور ہندوستانی فلاح سے مطابقت کا بنانے میں کامیاب رہے۔ ان میں ڈپٹی نذیر احمد، محسن الملک، الطاف حسین حالؔی، شبلی نعمانی، مولوی چراغ علی بطورِ خاص شامل ہیں مگر جو مقبولِ عام حالؔی کے حصے میں آئی وہ شاید ہی کسی اور کا مقدر بنی۔ مولانا الطاف حسین حالؔی کا نام آتے ہی ناقدین کے ذہن میں بے اختیار **مقدمۂ شعروشاعری** آ جاتا ہے۔ حالؔی ابتداء ہی سے نئے خیالات کے گرویدہ تھے اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ مغربی تہذیب و تمدن کو دل سے پسند کرتے تھے تو کچھ غلط بھی نہ ہوگا، تبھی وہ تحقیق و جستجو کے قائل تھے اور اِس کا اقرار بھی یوں کیا:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

یہ خوب سے خوب تر کی تلاش اصولِ سماجی تطابق ہی تو ہے اور پھر اس خوب تر کی جستجو نے **مقدمۂ شعروشاعری** تخلیق کروائی کہ اس کی پذیرائی کا یہ عالم ہے کہ حالؔی کا دیوان ۱۸۹۳ میں پہلی بار **مقدمۂ شعر و شاعری** کے ساتھ ہی چھپا تھا اور تب سے آج تک یہ ستر مرتبہ چھپ چکا ہے اور اس کی مقبولیت ہمیشہ قائم رہی ہے۔ **مقدمۂ شعروشاعری** اُردو زبان و ادب کی پہلی با قاعدہ تنقیدی کتاب ہے جسے اُردو کی بوطیقا بھی کہا جاتا ہے۔ بقول ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی: "**مقدمۂ شعروشاعری** کو اُردو تنقید پر حالی کا احسان تصور کیا جاتا ہے کیونکہ مولانا حالؔی کے نظریات اور تنقیدی افکارِ عالیہ، **مقدمۂ شعروشاعری** کی صورت میں جلوہ گر ہونے سے قبل اردو تنقید اپنے تجرباتی دور سے گزر رہی تھی لیکن یہ حقیقت ہے کہ اُردو نثر میں با قاعدہ تنقید نگاری کا آغاز حالؔی کے **مقدمۂ شعروشاعری** سے ہوا۔" (۸) نیچرل شاعری کی ترویج اور مولانا حالؔی کے **مقدمۂ شعروشاعری** کی بے پناہ سماجی پذیرائی کا ایک محرک نو آبادیاتی کلامیہ بھی تھا۔

ابوالکلام قاسمی نئی تنقیدی شعریات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "حالؔی بھی جس طرح پیرویٔ مغرب کو اُردو شاعری اور نئی معیار بندی کا پیمانہ بنا کر پیش کرتے ہیں وہ بھی غیر شعوری طور پر امپریل ایجنڈے کی تکمیل میں تعاون دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔" (۹) ابوالکلام قاسمی کی یہ بات بجا سہی مگر **مقدمۂ شعروشاعری** صرف امپیریل ایجنڈے کا حصہ نہیں بلکہ عصری تقاضوں کو محسوس کرتے ہوئے مولانا حالؔی کی اپنی ذہانت و ذکاوت کا ثبوت بھی تھا اور اُن کا نقطۂ نظر برائے شعر وسخن بھی جس کے سبب جدید شاعری کی اس قدر بلند عمارت تعمیر ہوئی۔ نو آبادیاتی نظام کے شکنجے میں کسی قوم کو حالؔی جیسے مفکر و دانشور کی ضرورت تھی سو جب حالؔی نے **مقدمۂ شعروشاعری** تخلیق کی تو یہ اُس دور کے بھی موافق و مطابق حال تھی اور آج کی بھی اور آنے والے ادوار کی بھی آواز ہے۔ اُس کی کئی وجہیں ہوسکتی ہیں مگر بقول کلیم الدین احمد: "افسوس کی بات ہے کہ آج جب لکھنے والوں کا

مطمعِ نظر حالؔی کی طرح محدود نہیں، جب وہ بہترین مغربی ادب، تنقیدی ادب سے واقفیت رکھتے ہیں۔اس کے باوجود کسی نے بھی **مقدمۂ شعروشاعری** سے بہتر تنقیدی کارنامہ پیش نہیں کیا۔''(۱۰) اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا کلیہ / فارمولہ تھا کہ جس کی بنا پر **مقدمۂ شعروشاعری** نوآبادیاتی نظامِ تعلیم، تحریکِ سرسید اور ہر دور میں استناد کی مہر کی حامل رہی ہے۔

حالی کو قدرت کی طرف سے بڑا موافق ماحول ملا کہ جس سے وہ بطور نقاد بڑا دل و دماغ لے کر سامنے آتے ہیں۔حالؔی کے اس عقلی جلا کو ڈاکٹر صلاح الدین درویش یوں بیان کرتے ہیں:''سرسید کے ساتھیوں میں حالؔی سے کہیں زیادہ پڑھے لکھے، دانش منداور علمائے کرام موجود تھے۔حالؔی شاید ان میں سے واحد ایسے شخص تھے کہ جنھوں نے سرسید کے پیغام کی نوعیت اور ہمہ گیریت کو نہ صرف سمجھا بلکہ اُسے عملی سطح پر اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔''(۱۱) حالؔی کے **مقدمۂ شعروشاعری** کی فہرست مضامین ہی دیکھیں تو وہ سماجی تطابق کے اصول کار کی وضاحت کر دیتی ہے۔جو کہ کچھ اس طرح ہے: ☆شعر کی تاثیر مسلم ہے ☆ پولیٹیکل معاملات میں شعر سے بڑے بڑے کام لیے گئے☆ شاعری ناشائستگی کے زمانہ میں ترقی پاتی ہے ☆ شاعری شائستگی میں قائم رہ سکتی ہے ☆ شاعری کا تعلق اخلاق کے ساتھ ☆ شعر کی عظمت ☆ شاعری سوسائٹی کی تابع ہے☆شخصی حکومت میں شاعر کی آزادی سے اُس کو نقصان پہنچتا ہے ☆ بڑی شاعری سے سوسائٹی کو کیا کیا نقصان پہنچتے ہیں؟ ☆ بڑی شاعری سے لٹریچر اور زبان کو کیا صدمہ پہنچتا ہے ☆ شاعری کی اصطلاح ☆ شاعری کے لیے کیا کیا شرطیں ضروری ہیں ☆ دوسری شرط کائنات کا مطالعہ ☆ زمانے کی رفتار کے مطابق اردو شاعری میں ترقی کیونکر ہوسکتی ہے☆ شاعری کے لیے سبق استعداد ضروری ہے ☆ جھوٹ اور مبالغہ سے بچنا چاہئے ☆ نیچرل شاعری ☆زبان کو درستی کے ساتھ استعمال کرنا ☆فکرِشعر کی طرف کس حالت میں متوجہ ہونا چاہئے۔بقول کلیم احسان بٹ:''حالی ایک نقاد کا دل و دماغ لیکر پیدا ہوئے تھے کہ اِن کی شاعری سے بھی ناقدانہ خیالات کو یکجا کر کے ان کی تنقیدی اُفتاد کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔''(۱۲) لامحالہ جس سماج میں علم کی راہیں کُھل جاتی ہیں وہاں بے اطمینانی، شک اور تلاش وجستجو کا جذبہ فرسودہ نظام سے بغاوت کے جذبات کو اُبھارتا ہے یہی وجہ ہے کہ بڑی شاعری ایسی راہوں میں بڑی رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔چیزیں آپس میں میل کھاتی ہی آگے بڑھتی اور پنپتی ہیں۔حالؔی سماجی تطابق کے اس اصول کا اقرار خود بھی یوں کرتے ہیں کہ:

> ممکن ہے کہ سوسائٹی کے دباؤ یا زمانہ کے اقتضائے شعر پر ایسی حالت طاری ہو جائے کہ وہ بجائے اس کے کہ قومی اخلاق کی اصلاح کرے اُس کے بگاڑنے اور برباد کرنے کا ایک زبردست آلہ بن جائے۔قاعدہ ہے کہ جس قدر سوسائٹی کے خیالات، اُس کی راہیں، اُس کی عادتیں، اُس کی رغبتیں، اُس کا میلان اور مذاق بدلتا ہے، اسی قدر شعر کی حالت بدلتی رہتی ہے اور یہ تبدیلی بالکل بے ارادہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ سوسائٹی کی حالت کو دیکھ کر شاعر قصداً اپنا رنگ نہیں بدلتا بلکہ سوسائٹی کے ساتھ ساتھ وہ خود بخود بدلتا چلا جاتا ہے۔(۱۳)

یہاں ہم لچکداریت (Flexibility) کے اصول کو جاندار ہوتا محسوس کر سکتے ہیں کہ قومی اخلاق کے موافق حال سوسائٹی کی راہیں، رغبتیں، میلان و مذاق مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں ۔ دونوں صورتوں یعنی نفی و اثبات کے نتیجے میں سماج میں ایک ایسی لچکداریت درآئے گی کہ شاعر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ لکھے گا جو اُس سماج کا رنگ ڈھنگ یا مصلحت ہے پھر اس کا نقصان شاعر کو تب ہوتا ہے کہ جب وہ ادبی، سیاسی وسماجی لچکداریت اُس کی من چاہی نہ ہو تو ظاہری سی بات ہے کہ لفظ خیال کے تابع ہونے چاہئیں ۔ شاعری اگر لفظوں کے تابع ہونا شروع ہو جائے تو قوتِ متخیلہ مَن چاہی ادبی لچکداریت پروان چڑھانے میں ناکام رہتی ہے ۔ نتیجتاً شعری منظرنامے پر اُس شاعر کے الفاظ کے منفی ٹکراؤ کے نتیجے میں بھونڈی شاعری جنم لیتی ہے ۔ اس طرح جلد ہی وہ شاعر شعری اُفق پر سے ٹوٹے تارے کی طرح غائب ہونا شروع ہو جاتا ہے ۔ لہٰذا پھر حالؔی کا یہ کہنا کہ ''شعر کی تاثیر مسلم ہے'' بجا ہے۔ ''شعر کی تاثیر سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ سامعین کو اکثر اُس سے حزن ونشاط یا جوش یا افسردگی کم یا زیادہ ضرور پیدا ہوتی ہے اور اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اگر اس سے کچھ کام لیا جائے تو وہ کہاں تک فائدہ پہنچا سکتا ہے'' ۔ (۱۴) حالؔی کی اس بات کی صداقت کو ہم مطابقت وموافقت کی کسوٹی پر پرکھیں تو فائدے کا حصول ممکن ہے :

تاثیر (مطابقت) + شعر (موافقت) = فائدے کا حصول (لچکداریت) ۔

لہٰذا ایک شاعر اپنے شعر کے ذریعے سے سماجی تعمیر وتخریب دونوں کام بہ احسن سرانجام دے سکتا ہے ۔ یہی مقصد کا حصول لچکداریت کہلاتا ہے ۔ مطابقت وموافقت کی عمدہ نظیر حالؔی ''پولیٹیکل معاملات میں شعر سے بڑے بڑے کام لئے گئے'' میں یوں پیش کرتے ہیں :

> یورپ میں پولیٹیکل مشکلات کے وقت قدیم سے پوئٹری کو قوم کی ترغیب وتحریص کا ایک زبردست آلہ سمجھتے رہے ہیں ۔ ایک زمانہ میں ایتھنز والوں کو برابر شکستیں ہوتی رہیں اور رفتہ رفتہ اُن کا حوصلہ ایسا پست ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لیے لڑائی سے دست بردار ہو گئے ۔ ۔ ۔ اُس وقت ایتھنز کا مشہور مقنن زندہ تھا اُس کو نہایت غیرت آئی ۔ اُس نے اہل وطن کو پھر لڑائی پر آمادہ کرنا چاہا وہ دانستہ مجنوں بن گیا ۔ ۔ ۔ لوگ یہ حال دیکھ کر اُس کے گرد جمع ہو گئے ۔ وہ ایک بلندی پر جہاں اکثر فصحاء منادی کیا کرتے تھے جا کھڑا ہوا اور اپنی عادت کے خلاف اشعار پڑھنے شروع کئے ۔ ۔ ۔ ان غیرت انگیز اشعار سے ایتھنز والوں کے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ اسی وقت سب نے ہتھیار سنبھال کر سولن کو سپاہ کا سردار اور حاکم مقرر کیا ۔ ۔ ۔ آخر جیسا کہ تاریخ میں بہ تفصیل مذکور ہے جزیرہ سلیمس پر قابض ہو گئے ۔ (۱۵)

مذکورہ بالا حالؔی کا بیان سیاسی وادبی دونوں منظرنامے پر لاگو ہوتا ہے کہ سولن نے مطابقت وموافقت کے کلیے کے تحت جیسے ہی فضا مطابق دیکھی تو اپنی موافقت اشعار کو اس انداز سے پیش کیا کہ لچکداریت یعنی فتح کا حصول ممکن ہوا ۔ دیکھا جائے تو شاعری کو موضوع کے اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ۔ مذہبی شاعری، رومانی شاعری، مزاحیہ شاعری، سنجیدہ شاعری ۔ حالؔی نے جس طرز کی شاعری پر زور دیا اور ضرورت واہمیت کو جتایا ہے ۔ وہ

چوتھی قسم یعنی سنجیدہ شاعری کہلاتی ہے۔

کیا وجہ ہے کہ ہمارے اس خطہ ہندوستان میں مذکورہ بالا چار شعری قسموں میں سے تین کو تو قبولِ عام حاصل ہے مگر سنجیدہ شاعری کو کم ہی سنجیدہ لیا جاتا ہے۔ایک اور جگہ کہتے ہیں:

> سب سے بڑا نقصان جو شاعری کے بگڑ جانے یا اُس کے محدود ہو جانے سے ملک کو پہنچتا ہے ۔وہ اُس کے لٹریچر اور زبان کی تباہی و بربادی ہے۔ جب جھوٹ اور مبالغہ عام شعراء کا شعار ہو جاتا ہے تو اُس کا اثر مصنفوں کی تحریر اور فصحاء کی تقریر اور خواص، اہل ملک کے روزمرہ اور بول چال تک پہنچتا ہے کیونکہ ہر زبان کا نمایاں اور برگزیدہ حصہ وہی الفاظ ومحاورات اور ترکیبیں سمجھی جاتی ہیں جو شعرا کے استعمال میں آجاتے ہیں ۔(۱۶)

حالیؔ کے اس بیان کو ہم سماجی تطابق کی کسوٹی پر یوں رکھ سکتے ہیں :لٹریچر و زبان(مطابقت)+ شعری بگاڑ(موافقت)= جھوٹ اور مبالغے پر مبنی شاعری (لچکداریت)۔

یوں شاعر کی زبان ،قوم کی زبان بن جاتی ہے ۔شعری بگاڑ پرانے وقتوں میں درباری ماحول کی دین ہے۔ جس سے اردو زبان و ادب پر بدلتے سماجی و درباری رنگ کے ساتھ منفی و مثبت دونوں طرح کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں ۔ہزل، ابتزال اور پھکڑ پن کے غلاف میں لپٹی شاعری نے سماج و ادب میں ایسی لچکداریت متعارف کرائی کہ جو سماج کے مزاج کا کافی عرصہ مستقل حصہ بنی رہی اور تب سے آج کے گلوبل ویلج میں جب سماجی و ادبی رویوں میں لچکداریت دیکھتی ہے تو چور دروازے سے درآتی ہے۔موجودہ دور کے ٹی وی چینلز پر چلنے والے مختلف ٹاک شوز اس کی زندہ مثالیں ہیں ۔دوسری طرف جب جھوٹ اور مبالغے کی وجہ سے کچھ شعراء کی ذہنی مطابقت ارتقاپذیری کے عمل سے نہیں گزر پاتی تو وہ موافق ماحول کی آرزو میں مثبت لچکداریت کو بھی ہوا دیتے ہیں اور ایسی شاعری بھی کر جاتے ہیں جو اُس دور میں تو کم سمجھ آتی ہے مگر آنے والے زمانوں میں احساس ہوتا ہے کہ یہ ہر دور، ہر زمانے کے لیے کارآمد و مفید کلام ہے۔جیسے غالبؔ و اقبال کی مثالیں موجود ہیں اور خود حالیؔ کی **مقدمۂ شعروشاعری** بھی اہم مثال ہے ۔غالبؔ کی شاعری ’’ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ۔‘‘ کو ہم آج کے سائنسی ویلج سے مطابقت قرار دے سکتے ہیں۔ بڑی شاعری کو ہم لچکداریت کے حصول کے ضمن میں یوں پرکھ سکتے ہیں :ٹیکنالوجی دور (مطابقت)+ غالب کی شاعری (موافقت)= دورِ حاضر میں شعری مقبولیت (لچکداریت)۔

اسی عمل کی وضاحت حالیؔ کے مقدمہ میں ایک اور مثال سے سمجھ سکتے ہیں :

> اگرچہ شاعری کو ابتداً سوسائٹی کا مذاق فاسد بگاڑتا ہے مگر شاعری جب بگڑ جاتی ہے تو اس کی زہریلی ہوا سوسائٹی کو بھی نہایت سخت نقصان پہنچاتی ہے ۔جب چھوٹی شاعری کا رواج تمام قوم میں ہی ہو جاتا ہے تو جھوٹ اور مبالغہ سے سب کے کان مانوس ہو جاتے ہیں۔جس شعر میں زیادہ جھوٹ اور مبالغہ ہوتا ہے ۔اُس کی شاعری کو زیادہ داد ملتی ہے ۔وہ مبالغہ میں اور غلو کرتا ہے تاکہ اور زیادہ داد ملے۔ ادھر اُس کی طبعیت راستی سے دور ہو جاتی ہے اور ادھر جھوٹی اور

بے سروپا باتیں وزن کے دلکش پیرایہ میں سنتے سنتے سوسائٹی کے مذاق میں زہر گھلتا جاتا ہے۔ (۱۷)

''شاعری سوسائٹی کے تابع ہے'' میں مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ حالی کس طرح کی سماجی تطابق کے خواہاں تھے؟

قاعدہ ہے کہ جس قدر سوسائٹی کے خیالات، اُس کی راہیں، اُس کی عادتیں، اُس کی رغبتیں، اُس کا میلان اور مذاق بدلتا ہے، اسی قدر شعر کی حالت بدلتی رہتی ہے اور یہ تبدیلی بالکل بے ارادہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ سوسائٹی کی حالت کو دیکھ کر شاعر قصداً اپنا رنگ نہیں بدلتا بلکہ سوسائٹی کے ساتھ ساتھ وہ خود بخود بدلتا چلا جاتا ہے۔ (۱۸)

سنجیدہ شاعری ہی اصل میں سماجی تطابق کی اہم صورت ہے جبکہ تطابق بہ نفی کی صورتیں شاعری کی پہلے سے موجود تین صورتیں ہیں۔ سنجیدہ شاعری کو قبولِ عام نہ ملنے کی دو بڑی وجوہات میں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ شاعری ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہمارے سماج کی بگڑی ہوئی صورت ایسے نظر آتی ہے۔ جیسی ہم دیکھنا نہیں چاہتے۔ ہم رجعت پسند ملاؤں کی پیروی میں ہی خوش فہمی کا شکار ہیں کہ مسلمان ہونے کی بنا پر ہم دنیا کی تہذیب یافتہ قوم ہیں اور آئینہ جو کوئی دکھائے تو ہماری اپنی شبیہہ، خود سے مطابقت نہیں رکھتی۔ ہمارا حال اس شعر کی تفسیر نظر آنے لگتا ہے کہ:

جو فرق عکس شباہت میں ہے انہی سے ہے
بہ ضربِ طیش انہی آئینوں کو چٹخائیں

موافق شاعری کی نامقبولیت کی ایک اور وجہ ''غور وفکر کی دعوت'' دینا ہے۔ بقول حالی:

شاعری میں کمال حاصل کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ نسخہ کائنات اور اُس میں سے خاص کر نسخہ فطرت انسانی کا مطالعہ نہایت غور سے کیا جائے۔ انسان کی مختلف حالتیں جو زندگی میں اس کو پیش آتی ہیں اُن کو تعلق کی نگاہ سے دیکھنا جو امور مشاہدہ میں آئیں اُن کے ترتیب دینے کی عادت ڈالنی، کائنات میں گہری نظر سے وہ خواص اور کیفیات مشاہدہ کرنے جو عام آنکھ سے مخفی ہوں۔ (۱۹)

ادب میں مختلف خاصیتوں کے حصول کے لئے مشاہدہ بے حد ضروری بھی ہے۔ حالؔی کی مشاہدہ کائنات کی اس شرط کو ہم نظریہ تطابق کے ذریعے یوں سمجھ سکتے ہیں: مشاہدہ (مطابقت) + مختلف حالتیں (موافقت) = مختلف خاصیتوں کا حصول (لچکداریت)۔ اسی نظریے کے تحت ادب پروان چڑھتا اور مختلف رویے پھلتے پھولتے ہیں۔ مشاہدہ کائنات کے ساتھ ساتھ عالموں کی صحبت، اساتذہ شعراء کے کلام کو مشعل راہ بنا کر بھی موافق حال شاعری بہتر انداز میں ہوسکتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حالی اس سلسلے میں یہ بیان کرتے ہیں: ''اساتذہ کا کلام جب تک صفحہ خاطر محو نہ ہو جائے طبیعت انہیں اسلوبوں اور پیراؤں میں مقید اور محصور رہتی ہے جو اُن کے کلام کو بار بار پڑھنے اور یاد کرنے سے بمنزلۂ طبیعت ثانی کے ہو جاتے ہیں اور جن کے سبب سے سلسلۂ بیان میں نئے اسلوب اور نئے پیرائے ابداع کرنے کا ملکہ پیدا نہیں ہوتا اور اس لئے فنِ شعر کو کچھ ترقی نہیں ہوتی۔'' (۲۰) حالی کے بیان کے

ساتھ ساتھ حالی کے اپنے مشاغل وصحبتوں کو مطابقت وموافقت کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہے۔ حالی کی زندگی کا سرسری جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ علم کے حصول کی لگن نے حالی سے گھر بار چھڑوایا۔کبھی عظیم آباد، کبھی دلی اور کبھی لاہور۔تمام عمر طلبِ علم کی غرض سے مطالعہ اور تصنیف وتالیف ہی آپ کا محبوب مشغلہ رہے۔حالی کے مطالعہ ومشاہدہ، صحبتوں اور اساتذہ شعراء سے فیضیابی کی کیفیات وحالتوں کو ناظر کاکوروی یوں بیان کرتے ہیں کہ:

> دن کو ۱۱ بجے تک اور سہ پہر کو تھوڑی دیر عصر کے بعد اور شب کے اکثر ابتدائی اوقات حالی، شیفتہ کی علمی ورنگین اور پُر کیف صحبت میں گزارا کرتے تھے۔صبح حالی کُتب خانے چلے جاتے تھے۔اِس کتب خانے سے حالی کو بے حد فائدہ ہوا اور اسی دوران شیفتہ کے نوتالیف تذکروں کے مسودات کو دیکھا اور جابجا معقول اصلاح کی۔ [۲۱]

شیفتہ اپنے زمانے کے صاحبِ مرتبہ ومعزز شخص تھے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ اُن کے کتب خانے میں اُس زمانے کی تمام مشہور کُتب موجود تھیں۔جن سے طبیعت کے میلان کے مطابق حالی نے موافق باتیں مشاہدہ میں لائی مگر خود پر اُن کُتب کے اُسلوب کی چھاپ نہیں لگنے دی بلکہ قوتِ مشاہدہ کو بروئے کار لاتے ہوئے ''نیا زمانہ نئے صبح وشام پیدا کر'' کے مصداق عمل کرتے رہے۔

اسی طرح حالی،علی گڑھ میں سرسید کے پاس مقیم تھے تو وہاں سرسید کی لائبریری سے بھی مستفید ہوتے رہے۔بقول ناظر کاکوروی: ''علی گڑھ میں سرسید کے کُتب خانہ میں بہترین عربی اور فارسی مخطوطات کے مطالعہ کا بھی حالی کوسکون سے موقع ملا۔ یہ کُتب خانہ اپنی نوعیت کا نرالا تھا اور یہیں حالی نے انگریز اساتذہ سے تعلقات پیدا کئے جو مدرسۃ العلوم میں موجود تھے یا برطانوی نقطۂ نظر کی تبلیغ کے لئے اکثر وبیشتر آتے رہتے تھے۔'' [۲۲] سرسید کے ہاں اس وقت کی بڑی اور اہم شخصیات کا بھی آنا جانا رہتا تھا،جس سے حالی نے بھی اپنے موافق حال فائدہ اُٹھایا۔بقول ناظر کاکوروی: ''ملٹن، بائرن،شکسپئر، کیٹس، شیلے، ورڈز ورتھ کے حالات پڑھے اور ان کے کلام پرغور وخوض کا بھی موقع ملا۔'' [۲۳]

نوآبادیاتی نظام کے ترتیب کردہ تعلیمی ڈھانچے نے بھی حالی کی سوچوں کو نیا پن دینے میں راہ ہموار کی۔ ناظر کاکوروی، حالی کی زبانی اس بابت یوں بیان کرتے ہیں: ''پنجاب بک ڈپو میں ایک آسامی مجھ کو مل گئی جس میں مجھے یہ کام کرنا پڑتا تھا کہ جو ترجمے انگریزی سے اُردو میں ہوتے تھے اُن کی عبارت مجھ کو درست کرنے کو ملتی تھی۔تقریباً چار برس میں یہ کام لاہور میں رہ کر کیا۔ اس سے انگریزی لٹریچر کے ساتھ فی الجملہ مناسبت پیدا ہوگئی۔'' [۲۴] حالی نے لامحالہ ان تمام صحبتوں اور مشاہدوں سے اخلاق وحکمت کو پایا۔حالی کے ہاں مبالغہ سے پاک تحریر ہونا اصل میں شیفتہ کی صحبت اور اُن کے کُتب خانے سے استفادے کا نتیجہ ہے، کیونکہ شیفتہ بھی مبالغے کو پسند نہ کرتے تھے۔شاعری کا نیچرل ہونا، سرسید کی تحریک سے وابستگی کی دین نظر آتا ہے۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ حالی کے کلام میں اساتذہ شعراء کے الفاظ واسلوب سے بوجھل سزا تو نہیں ملتی لیکن مشاہدے نے اُن کے کلام میں مطابقت ضرور پیدا کی۔ یہی وجہ ہے کہ حالی کے کلام میں سادگی، مبالغے سے پاک

ہونا اور شاعری کا نیچر کی عکاس ہونا، یہ سب اِنہی بزرگوں کی صحبت کا نتیجہ ہے۔ سادگی و مبالغے سے مبرا کلام کو ہی موافق حالات وخیالات کے ملنے پر حالی نے اپنے مقدمے میں معیار بنا کر بھی پیش کیا۔

تحقیق اور غور وفکر کا حکم بھی ہے مگر اس کے لئے جسمانی و ذہنی مشقت درکار ہے۔ اور یہ عمل ترقی کا زینہ بہ احسن تبھی طے کرتا ہے جب شعرا مشاہدے کے بل بوتے پر اپنے جذبات ومحسوسات کو اُبھار سکیں۔ جذبات و محسوسات کے میل سے جو لچکداریت دیکھنے اور برتنے کو ملتی ہے وہ کچھ یوں سمجھی جاسکتی ہے :محسوسات (مطابقت)+ جذبات (موافقت)= نئے حسی تجربے (لچکداریت) نئے تجربوں سے گزرنے کا عمل اتنا ہی ضروری ہے جیسے دریا میں پانی کا تسلسل سے بہاؤ کہ اگر پانی رُک جائے تو جوہڑ۔ اسی طرح شعر وادب میں غور وفکر سے اہلِ فکر ونظر پر زندگی کے نئے نئے زاویے اور اسرار ورموز کھلتے ہیں ۔اسی سے ادبی، سیاسی وسماجی اصلاح کا کام بھی ممکن ہے ۔بقول ڈاکٹر تنویر احمد علوی:''شعر یا پھر ادبی صداقت اُس وقت تک اپنی معنویت سے محروم رہتی ہے جب تک کہ وہ متحرک شعری پیکروں اور نئے حسی تجربوں کو جنم نہ دے ۔''[۲۵] غور وفکر اصلاح معاشرہ کے لیے ضروری تو ہے مگر ہر خاص و عام کے بس کی بات بھی نہیں لہٰذا سماجی تطابق یہاں آکر سُست روی اختیار کر جاتا ہے اور یوں یہ خاص نقطہ موافق حال عناصر نہ ملنے کی بنا پر دوراہے کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔

شاعری سے مخالف رویہ اختیار کرنے والے یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ شعر کی بجائے نثر سے زیادہ مستحسن طور پر کام لیا جاسکتا ہے مگر شعر کی عظمت بہ نسبت نثر، اقبالؔ نے بھی یوں کہا ہے:

کیا ہے تجھ کو کتابوں نے کور ذوق اتنا
صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو بوئے گُل کا سُراغ

غور وفکر ایک ایسا ملکہ ہے کہ جس سے دورِ حاضر تک کے ادبی وغیر ادبی سفر میں بے شمار نئی جہتیں متعارف ہوئیں اور نئے جہانوں کے سراغ ممکن ہوئے تھیں۔ یہ لچکداریت ہی ہے کہ جس سے ادب نے ماڈرنزم کے مختلف چولے سرئیلزم، ڈاڈاازم، امیجزم، تاثریت، علامت نگاری، تجریدیت، تمثال کاری تا پوسٹ ماڈرن ازم کے نام سے بدلے ہیں ۔ حالی نے غور وفکر کا ثبوت **مقدمۂ شعر و شاعری** لکھ کر دیا، جس کے ذریعے پہلی بار اُردو ادب کو شاعری کے معیار سے آشنائی ہوئی ۔ ان کا مقدمہ اُردو ادب میں اس لحاظ سے بھی قابلِ قدر کارنامہ ہے کہ اس کے ذریعے شاعری پر الفاظ اور معانی میں پائی جانی والی مطابقت وموافقت نے دنیائے اُردو ادب کو مثبت ومنفی دونوں طرح کی لچکداریت (Flexibility) کے کلیے سے آشنا کیا ۔ اس تجربے کو حالی نے خود بھی اپنی تحریروں میں فارسی، عربی اور انگریزی کے الفاظ استعمال کرکے اپنے مقصد کو واضح کیا۔ حالی کے نزدیک مقصدیت کا حصول الفاظ ومعانی کے باہمی رشتے سے ممکن ہے۔ جن اثباتی اقدار پر حالی کی ادبی شخصیت اُجاگر ہوئی تھی، آگے چل کر وہی اقدار ادبی انقلاب میں مثبت لچکداریت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ حالی کی پیش کردہ ادبی لچکداریت، نظریاتی انفرادیت کی حامل ہوئی اور یوں الفاظ میں نئے پیرہن مطابق حالات میں بدلے اور موافق معنی بھی سامنے آتے گئے ۔ کہنے کو مضامین عام ہی ہوتے ہیں مگر اسلوب ایک ایسا ملکہ ہے جو ان کو زمانے کے مطابق جدت عطا کرتا

ہے۔

شاعری میں غور وفکر کی اہمیت کو مزید ''آمد اور آورد میں فرق'' میں مولانا حالیؔ یوں واضح کرتے ہیں:

> یہ ممکن ہے کہ شاعر کسی موقع پر پاکیزہ خیالات جو اُس کے حافظہ میں پہلے سے ترتیب وار محفوظ ہوں مناسب الفاظ میں جو حُسنِ اتفاق سے فی الفور اُس کے ذہن میں آجائیں ادا کردے۔لیکن اول تو ایسے اتفاقات شاذو نادر ظہور میں آتے ہیں ۔۔۔۔دوسرے ان خیالات کو جو مُدت سے انگور کے شیرہ کی طرح اُس کے ذہن میں پک رہے تھے، کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ جھٹ پٹ بغیر غور وفکر کے سرانجام ہو گئے ہیں۔ (۲۶)

جہاں تک آمد اور آورد کا تعلق ہے ، وہ ایک الگ دلچسپی کا حامل ہے ۔یہ ہمارے روزمرہ کے مشاہدے کی بات ہے کہ ایک شاعر ، ایک مخصوص عمر تک تو اعلیٰ شعری خیالات سے لبریز نظر آیا مگر ایک عمر کی حدود سے نکلنے کے بعد وہ آورد کی منزل کو کامیابی سے نہ نبھا پایا۔ جہاں تک آمد کا تعلق ہے کہ ابتدائی شاعری آمد کہلاتی ہے۔ یہ معاملہ ایسے ہی کہ ایک پھل قدرتی فضا میں پکا اور پکنے پر اُتار لیا گیا یا اُتارے جانے پر مجبور کر دیا گیا۔آمد بھی ایسے ہی ہے کہ کنوارے خیالات، موافق ماحول پا کر ادب میں اپنا مقام بنانے میں بہ آسانی کامیاب ہو جاتے ہیں پھر ایک زمانہ ایسا بھی آتا ہے کہ خیالات کے کنوار پن کی ترسیل رواں ہونے کے باوجود رُک جاتی ہے ۔رواں ہونے کا عمل ایک دم رُک جانا خیالات کی مطابقت کے ختم ہو جانے سے واقع ہوتی ہے ۔آمد کا عمل بالکل ایک خزانے کی مانند ہوتا ہے کہ جس میں اضافے (مشاہدے) کا عمل رُک جاتا ہے ۔اب باری آورد کی آجاتی ہے اور شاعر یا تو خیال (مطابقت)+الفاظ(موافقت)= قوتِ متخیلہ (لچکداریت) کا عمل بخوبی سرانجام دینے میں کامیاب رہتا ہے اور بعض اوقات یہ عمل رُک جاتا ہے اور شاعری میں لفظی و خیالی تکرار شروع ہو جاتی ہے۔یہیں سے ادبی منظر نامے پر شاعر وشاعری کی موت واقع ہوسکتی ہے کیونکہ مشاہدہ سانس کی وہ آمدورفت ہے کہ جو آورد کو کامیابی سے رواں رکھتا ہے۔

شاعری کے لیے سبق استعداد ضروری ہے ، زبان کو درستی کے ساتھ استعمال کرنا ،فکر شعر کی طرف کس حالت میں متوجہ ہونا چاہئے؟ حالیؔ کے مقدمہ کے ایسے ہی موضوعات ہیں کہ جن کے لاگو کرنے کے لیے مطابقت و موافقت کے ذریعے سے لچکداریت (نتیجہ) لائی جاسکتی ہے ۔مقدمے کے تمام اجزاء کے حصول کی زندہ جاوید مثال ''مسدس حالی'' کی صورت میں خود سب سے پہلے حالیؔ نے مقدمے کے ساتھ ہی پیش بھی کر دی کہ مسدسِ حالیؔ کس طرح سماجی تطابق کی ضرورتوں کو پورا کر سکتی تھی۔ یہ اُس وقت کے سماج کی مطابقت وموافقت کی ایسی بہترین مثال ہے کہ سماج بھی کہہ اُٹھا کہ قرآن کے بعد سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب مسدسِ حالی تھی ۔جس کے لیے سرسید نے بھی تفاخر کا اظہار کیا کہ خُدا پوچھے گا کہ دنیا سے کیا لائے ہو تو میں کہہ دوں گا کہ حالیؔ سے ''مسدس حالیؔ'' لکھوا لایا ہوں۔

ادبی تحریکیں اگر سماجی تطابق کے اس زریں اصول کو نہ اپنائیں تو ادب میں سماجی، سیاسی و معاشی شعور دم توڑ

جاتا۔اسی بات کو **مقدمۂ شعروشاعری** میں حالی مختلف موضوعات کے تحت کھول کھول کر بیان کرتے رہے اور ادبی رویوں کو اپنے مطابق کرنے اور موافقت کے معیارات مقرر کرنے پر زور دیتے رہے جس سے ادبی ترسیل میں لچکداریت آئے کیونکہ لچکداریت کی یہی کیفیت ادب کی خون کی نسیں ہیں۔

حالیؔ نے سماجی دردسندی کے اظہار کے طور پر مثالی معاشرے (Utopia) کی بھی خواہش کی ہے۔گویا سماج ایک جسم اور افرادِ معاشرہ اس کی روح ہیں۔ روح اور جسم کے ملاپ سے معاشرہ سماجی تطابق کا حامل کہلا سکتا ہے اور پھر **مقدمۂ شعروشاعری** تو لامحالہ اُس دور کی پیداوار ہے کہ جب سماجی تطابق کی ضرورت بھی موجود تھی۔ مجنوں گورکھپوری اس حوالے سے یوں رقمطراز ہیں: ''حالی نے زمانے کے ساتھ گھاٹے پر صلح کرلی اور اس کا ہر نشیب وفراز بغیر چوں چرا کے تسلیم کرلیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ میر و مصحفی کی روش کو چھوڑ کر مغرب کی پیروی میں لگ گئے۔کرتے کیا؟ زمانے کے میلان کے ساتھ مصالحت کرلینا نہ صرف سرسید کی تحریک تھی بلکہ حالی کی اپنی طبیعت کا تقاضا بھی یہی تھا۔''(۲۷) میرے نزدیک حالی نے **مقدمۂ شعر وشاعری** میں اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ساری ادبی طاقتیں صرف کردی ہیں کہ اگر ادب، شراور نتائجِ شر کا پرچار کرتا ہے اور کائنات میں جھوٹ کی برائی کو فروغ دیتا ہے تو ایسا ادب سماج اور سوسائٹی میں اخلاقی اقدار کو پھیلانے میں ناکام رہتا ہے۔ ظاہری سی بات ہے کہ سماج (مثبت) کی مطابقت برائی (منفیت) نہیں ہوسکتی اور جب شاعر کے خیالات کی موافقت شر سے جڑی ہو تو خیالات کی آلودگی معاشرتی پراگندگی کا باعث بنے گی۔اس لچکداریت کی حامل سوسائٹی جلد ہی منفی رویوں کو جنم دے گی۔ نتیجتاً ایسا ادب مقبولیت کی سطح سے گر کر پستیوں میں کھو جائے گا۔ادب میں اخلاقی فضائل کے ساتھ ساتھ ادبیت یا ادبی چاشنی کی بھی ضرورت ہے۔اچھا ادب و ادیب حالی کے خیالات کی توضیح میں وہی ہے جو زندگی کی تصویرکشی، خلوص اور لطافتِ بیان کے ساتھ کرتا ہے اور وہ اس طرح رذائل سے تنفر پیدا کرتا ہے۔

بقول ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی:

> ادب اخلاقی اقدار کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس کا مقصد تہذیب نفس اور تثقیف وتربیت ہے۔ ادب انسان کی تعمیر کرتا ہے۔ وہ اپنے اندر اقدارِ اعلیٰ کی ایک معروضی ذہنی شکل پیدا کرنے کے بعد لوگوں میں اخلاقِ فاضلہ اور سیرتِ محمودہ کا مظاہر کرتا ہے۔وہ شاعری جو اخلاقی اقدار اور انسانی فضائل کی عکاسی کرتی ہے، وہی اخلاقی شاعری ہے۔(۲۸)

سیاست و ادب کی مطابقت وموافقت سے ادبی رویوں میں لچکداریت کی جو صورت نکھر کر سامنے آئی وہ حالیؔ کی **مقدمۂ شعروشاعری** ہے۔یہ ادبی تنقید کی ایک ایسی صورت ہے کہ جو پیدائش (۱۸۹۳) سے لے کر آج تک ہر ماحول سے مطابقت رکھتی ہے اور اسے پنپنے کے لیے موافق ماحول میسر رہا۔یقینی سی بات ہے کہ اتنے لمبے عرصے تک لغو گوئی تو پروان نہیں چڑھتی ۔ حالیؔ کے **مقدمۂ شعر و شاعری** نے ادب کو ایسی لچکداریت (Flexibility) مہیا کی کہ جس کی بنا پر اِسے آج بھی فنِ شعر پر ایک مستند دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔لہٰذا قانون کے ساتھ ساتھ شعروادب پر بھی سماجی تطابق کا یہ کلیہ بہ آسانی لاگو کیا جاسکتا ہے۔

حوالہ جات:

(۱) **مقالات سرسید**، حصہ نہم، مرتبہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی، مجلس ترقی ادب لاہور (س ن م) ص۔ ۲۹، ۳۰
(۲) ایضاً، ص۔۳۱
(۳) سِڈنی پینٹر، ریاض الاسلام، جی ایم ڈی، صوفی، **تہذیب کی کہانی**، سلور برڈٹ کمپنی، نیویارک، ۱۹۵۴ء، ص-۶۸
(۴) گستاؤلی بان، ڈاکٹر، **تمدنِ سید**، مترجم سید علی بلگرامی، بُک لینڈ، ۱۲ محمد بلڈنگ بندر روڈ کراچی، فروری ۱۹۹۲ء، ص-۶۵
(۵) ایضاً، ص-۵۲۰
(۶) عبداللہ، سید ڈاکٹر۔ **سرسید احمدخان اور اُن کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی و فکری جائزہ**، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص۔۱۷
(۷) ایضاً، ص-۱۶
(۸) وقار احمد رضوی، سید ڈاکٹر، مقدمۂ شعروشاعری مشمولہ **مولانا الطاف حسین حالی: شخصیت اور فن**، اکادمی ادبیات، پاکستان، اسلام آباد ۲۰۱۵ء، ص-۳۷
(۹) ابوالکلام قاسمی، **معاصر تنقیدی رویے**، علی گڑھ، ایجوکیشنل بُک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۷ء، ص-۷۰
(۱۰) کلیم الدین احمد، **اُردو تنقید پر ایک نظر**، اسلام آباد، پورب اکیڈمی ۲۰۱۲ء، ص-۹۰
(۱۱) صلاح الدین درویش، ڈاکٹر، مضمون: حالؔی کا نظریہ سماجی تبدیلی بشمولہ **ادبیات**، شمارہ نمبر: ۱۰۴، جنوری تا مارچ، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص-۹۷
(۱۲) کلیم احسان، بٹ، عہد سرسید میں انگریزی اور حالی کی مقدمۂ شعر و شاعری مشمولہ **ادبیات**، شمارہ نمبر: ۱۰۴، جنوری تا مارچ، اسلام آباد، ۲۰۱۵، ص۔۱۲۱
(۱۳) الطاف حسین حالؔی، خواجہ، شاعری سوسائٹی کی تابع ہے مشمولہ **مقدمۂ شعروشاعری**، جدید بُک ڈپو، اُردو بازار، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص-۲۱
(۱۴) الطاف حسین حالؔی، خواجہ، شعر کی تاثیر مسلم ہے مشمولہ **مقدمۂ شعرو شاعری**، ص-۹
(۱۵) الطاف حسین حالؔی، خواجہ، پولیٹیکل معاملات میں شعر سے بڑے بڑے کام لئے گئے ہیں مشمولہ **مقد مۂ شعروشاعری**، ص-۱۱
(۱۶) الطاف حسین حالؔی، خواجہ، بُری شاعری سے لٹریچر اور زبان کو کیا صدمہ پہنچتا ہے؟ مشمولہ **مقدمۂ شعروشاعری**، ص۔۳۰
(۱۷) الطاف حسین حالؔی، خواجہ، بُری شاعری سے سوسائٹی کو کیا کیا نقصان پہنچتے ہیں؟ مشمولہ **مقدمۂ شعر و شاعری**، ص-۲۹، ۳۰
(۱۸) الطاف حسین حالؔی، خواجہ، شاعری سوساٹی کی تابع ہے مشمولہ **مقدمۂ شعر و شاعری**، ص-۲۱
(۱۹) الطاف حسین حالؔی، خواجہ، دوسری شرط کائنات کا مطالعہ کرنا مشمولہ **مقدمۂ شعر و شاعری**، ص-۴۴
(۲۰) الطاف حسین حالی، خواجہ، اعلیٰ طبقہ کے شعرا کا کلام یاد ہونا چاہیے مشمولہ **مقدمۂ شعر و شاعری**، ص۔۵۲

(۲۱) ناظر کاکوروی، **حالیؔ کا نظریۂ شاعری**، ادارہ انیس اُردو، الہٰ آباد، ۱۹۵۹ء ص ۔ ۴۵

(۲۲) ایضاً، ص-۵۷

(۲۳) ایضاً، ص-۵۸

(۲۴) ایضاً، ص-۲۱

(۲۵) تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، جدید اُردو غزل: فکری و فنی سطح پر ایک نقطہ انحراف مشمولہ **معاصر اُردو غزل**، مرتبہ: قمر رئیس، پروفیسر، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۴ء، ص-۱۱۲

(۲۶) الطاف حسین حالیؔ، خواجہ، آمد اور آورد میں فرق مشمولہ **مقدمۂ شعروشاعری**، ص-۴۸

(۲۷) گورکھپوری، مجنوں، ادب اور زندگی مشمولہ **غزل سرا**، دہلی، ۱۹۴۴ء، ص۔ ۳۶، ۳۷

(۲۸) وقار احمد رضوی، سید ڈاکٹر، مقدمۂ شعر و شاعری مشمولہ **مولانا الطاف حسین حالی: شخصیت اور فن**، ص۔۴۴

○○○